تیسری قسط

قادیانیوں کا صد سالہ جشن ...... حقیقت کے آئینے میں

پروفیسر خالد شبیر احمد

حکیم نورالدین کا عہدِ حکومت (۱۹۰۸ء۔۱۹۱۴ء):

مرزا غلام احمد جو کچھ اپنے عہدِ حکومت میں کرتے رہے، اُس سے تمام اہل اسلام واقف ہیں۔ قادیانیوں کا جشن صد سالہ چونکہ ۱۹۰۸ء سے شروع ہوتا ہے۔ اس لیے حکیم نورالدین کی اُن کارستانیوں کا ذکر سر فہرست ہے جو بقول قادیانیوں کے وہ اسلام اور اہل اسلام کے لیے سرانجام دیتے رہے ہیں۔ ان کی قیادت کا یہ دور مسلمانوں کے لیے کیسا رہا، اس کی روئیداد قارئین کے سامنے لائی جا رہی ہے۔

مرزا غلام احمد کی موت کے بعد اُس کی وصیت کے مطابق قادیانیوں نے ''جماعتِ احمدیہ'' کے جملہ انتظامات انجمن احمدیہ کے سپرد کر دیئے اور حکیم نورالدین قادیان کی گدی پر مرزا غلام احمد کے جانشین کے طور پر براجمان ہوئے۔

حکیم نورالدین ۱۸۴۱ء میں بمقام بھیرہ (سرگودھا) پیدا ہوئے۔ جو ایک کھاتے پیتے گھر کے فرد تھے۔ والد کا لاہور میں پرنٹنگ پریس تھا۔ انھیں بچپن سے ہی اسلامیات سے رغبت تھی۔ ۱۲ برس کی عمر میں انھوں نے اپنے بڑے بھائی سے تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ اسلامیات، عربی، منطق کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھیرہ کو خیر باد کہہ کر لاہور چلے آئے۔ جہاں پر طب کی تعلیم حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے بھوپال، روہیل کھنڈ اور دہلی میں بھی کچھ عرصہ بسر کیا۔ مکہ اور مدینہ میں بھی کچھ عرصہ گزارا۔ جب واپس آئے تو اچھے خاصے صاحبِ علم کہلوانے لگ گئے۔ شعبہ تدریس سے وابستہ ہوئے تو وہاں جی نہ لگا۔ بھیرہ میں بطور حکیم متعارف ہوئے اور خاصی شہرت حاصل کر لی۔ ۱۸۷۶ء میں کشمیر میں مہاراجہ رگھبیر سنگھ کے دربار میں ریاست کے ایک ہندو پولیس افسر لالہ مہتا داس اور کشمیر کے نام ور مورخ دیوان کرپارام کی مدد سے شاہی حکیم کے طور پر نوکری حاصل کر لی۔ ۱۸۷۷ء میں حکیم نورالدین نے دہلی دربار میں بھی شرکت کی۔ جہاں ملکہ وکٹوریہ کے باقاعدہ ہندوستان کی ملکہ ہونے کا اعلان کیا گیا۔

حکیم نورالدین چونکہ بڑے ہوشیار، زیرک اور چالاک انسان تھے۔ اس لیے انھوں نے کشمیر میں رہتے ہوئے انگریز افسران سے خصوصی رابطہ قائم کر لیا۔ جو وقتاً فوقتاً کشمیر میں مختلف امور یا پھر بغرضِ سیر و سیاحت آتے رہتے تھے۔ یہیں سے اُنھیں انگریزوں کے قرب کا اعزاز حاصل ہوا اور اُن کی رگ و پے میں انگریزوں سے وفاداری کے جراثیم پرورش پانے لگے۔ بعض انگریز افسران کے ساتھ ان کے خصوصی تعلقات قائم ہو گئے۔ جنھوں نے انھیں مہاراجہ کی در پردہ سرگرمیوں کی

اطلاعات فراہم کرنے پر مامور کر دیا اور یوں حکیم نورالدین نے حکمت کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے جاسوس ہونے کا بھی ''شرف'' حاصل کیا۔ انیسویں صدی کے اختتام پر برطانوی حکومت روس کے وسطی ایشیا میں دلچسپی کو بڑی تشویش کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ خود مہاراجہ کشمیر نے بھی روس کی حکومت سے رابطے قائم کر رکھے تھے۔ وہ برطانوی تسلط سے گلوخلاصی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس ضمن میں ۱۸۶۵ء میں پوشیدہ طور پر ایک وفد بھی تاشقند بھیجا گیا۔ جسے اس مشن میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ زارِ روس اس وقت ہندوستان میں کسی بھی آزادی کی تحریک کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ پانچ سال بعد مہاراجہ کشمیر نے دوسرا وفد بابا کرم پرشاد کی قیادت میں روس بھیجا اس وفد کی غرض و غائت بھی فوجی امداد حاصل کرنا تھی لیکن اسے بھی پہلے وفد کی طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

رفتہ رفتہ حکیم نورالدین ریاست کشمیر کی درباری سازشوں میں بُری طرح ملوث ہوگئے اور بڑی ہوشیاری، تندہی کے ساتھ انگریزی تسلط اور برطانوی مفاد کی نگہداشت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ راجہ امر سنگھ کے ساتھ خصوصی تعلقات قائم کر کے اسے اپنے دامِ فریب میں پھنسا لیتے ہیں۔ حکیم نورالدین پوری طرح کامیاب ہوگئے اور اسے آمادہ کر لیا کہ وہ انگریزوں کی مدد سے اپنے بھائی مہاراجہ پرتاب سنگھ کے مقابلے میں اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لے کر ریاست کے نظام پر کنٹرول حاصل کرلے اور کشمیر کے انگریزی مفادات کی مکمل نگہداشت کا فریضہ اپنے ذمے لے۔ اس سازش میں حکیم کو کسی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی کہ انگریزوں نے ریاستی امور کو سرانجام دینے کے لیے ایک انتظامی کونسل کے لیے مہاراجہ پرتاب سنگھ کو آمادہ کر لیا، جس کی صدارت اگرچہ مہاراجہ پرتاب سنگھ کے ہاتھ میں تھی تاہم اختیارات رفتہ رفتہ مہاراجہ امر سنگھ کو منتقل ہوتے گئے جو اس کونسل کے ایک اہم رکن تھے جس کے ذمے ریاستی امور کی ذمہ داری تھی۔ بالآخر راجہ پرتاب سنگھ پر جب سازش کھلی تو انھوں نے حکیم نورالدین کو چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ریاست سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور یوں:

''بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے''

کے مصداق کشمیر کو انھیں خیر باد کہنا پڑا۔

یہ چھوٹی سی کہانی قارئین کے سامنے اس لیے پیش کی گئی ہے کہ حکیم نورالدین جو قادیانیوں کے ہاں ایک مقدس اور اہم شخصیت ہے جسے قصرِ قادیانیت کا ایک اہم ستون سمجھا جاتا ہے۔ اس شخصیت کی ابتدائی زندگی کے خدوخال ابھر کر سامنے آجائیں۔ واقعات سے ثابت ہے کہ انگریزوں سے وفاداری کا جذبہ ان میں ابتداء ہی سے موجود تھا جس کا دورِ اقتدار میں یعنی قادیان کی گدی پر براجمان ہونے کے بعد اپنے عروج پر پہنچنا ایک فطری امر تھا۔ اور شاید یہ سبب تھا کہ مرزا غلام احمد کی موت کے بعد قادیانیوں کی نگاہِ انتخاب کے وہ مستحق قرار دیئے گئے۔ اس کے علاوہ اس چھوٹی سی کہانی سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس درباری سیاست میں حکیم صاحب کے کردار سے یہ بات واضح طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے کہ سازشوں کے پروان چڑھانے میں انھیں اپنی فطرت نے وافر صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ جس کا اظہار کشمیر کے شاہی دربار میں شاہی حکیم کی حیثیت میں انھوں نے کیا۔ انھیں اگرچہ بے عزت ہو کر کشمیر سے نکلنا پڑا تاہم انگریزوں کے ہاں ان کے احترام میں

ضرور اضافہ ہوا اور ان پر انگریزوں کا اعتماد بڑھا۔ اس کے بدلے میں قادیانیوں نے انگریزی امداد حاصل کر کے نہ جانے کتنے مفاد حاصل کیے اور آج تک کر رہے ہیں۔ یہ انھیں لوگوں کی کمائی سے جو آج قادیانیوں کے موجودہ سربراہ مرزا مسرور لندن میں بیٹھے کھا رہے ہیں۔ جن کی قیادت میں یہ جشن صد سالہ منایا جا رہا ہے۔

مختلف حوالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حکیم نورالدین کی مرزا غلام احمد کے ساتھ پہلی ملاقات ۱۸۸۱ء میں ہوئی اور بس ملتے ہی ان پر فدا ہو گئے۔ اس ملاقات کے بعد بہت ہی کم عرصے میں حکیم نورالدین قادیانیوں کے ہاں ایک اہم مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کی ایک وجہ تو ان کے علم و فضل کی دھاک، ان کے اجل حکیم ہونے کی شہرت، ان کے سازشی ذہن جس کا انہوں نے کشمیر میں ملازمت کے دوران مظاہرہ کیا اور پھر سب سے بڑی بات ان کی مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ وفاداری کا جذبہ تھا۔ حکیم نورالدین بڑے انہماک کے ساتھ قادیانیت کے عقائد کے پرچار اور اس کے مفادات کے تحفظ کے لیے مصروف ہو گئے۔ کئی کتابیں بھی تحریر کیں۔ جس میں قابل ذکر کتاب ''فیض الکتاب'' ہے جس میں انہوں نے عیسائیت پر تنقید اور تبصرہ کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ کتاب مرزا غلام احمد کی فرمائش پر تحریر کی گئی غرضیکہ قادیانیوں کے ہاں ان کا مقام اتنا بلند ہو گیا کہ مرزا غلام احمد کی موت پر قادیانیوں کی نگاہ حکیم نورالدین علاوہ کسی اور پر نہیں پڑی اور متفقہ طور پر انہیں قادیانیوں کا سربراہ منتخب کر لیا گیا۔ حکیم نورالدین ۱۳/ مارچ ۱۹۱۴ء تک یعنی اپنی موت تک اس منصب پر فائز رہے۔ اس دوران زیادہ تر وہ قادیان میں ہی مقیم رہے اور قادیانی عقائد کی نشر و اشاعت اور انگریزوں کی اطاعت و فرمانبرداری اور یہودیوں کے ساتھ گہرے رابطے قائم کرنے کے فرائض کو انتہائی دیانت داری اور محنت کے ساتھ سرانجام دیئے۔

حکیم نورالدین کے یہودیوں سے رابطے:

حکیم نورالدین نے قادیانی گدی پر براجمان ہوتے ہی اپنے قائد و پیشوا مرزا غلام احمد کی حکمت عملی کے عین مطابق یہودیوں اور نصرانیوں سے گٹھ جوڑ کر کے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف کیسے کیسے کام سرانجام دیئے۔ اس کا تذکرہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قادیانیوں کا اہل اسلام یا اسلام کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی انہوں نے پچھلی ایک صدی میں کوئی ایسا کام کیا ہے جس پر جشنِ صد سالہ منانے کی ضرورت ہے اس جشن صد سالہ کے عنوان کے تحت وہی کچھ ان کے پیش نظر ہے جو کچھ وہ پہلے کرتے رہے ہیں اور یہ صریحاً اسلام کے خلاف بغاوت اور اہل اسلام کو دنیا میں ذلیل و رسوا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں یعنی خلافت عثمانیہ کے خلاف سازشیں کر کے بین الاقوامی سطح پر مرکزیت اسلام کو پارہ پارہ کیا جو انگریزوں اور یہودی کی ایک اہم ضرورت تھی۔

پہلا جشن:

لندن میں حکیم نورالدین نے خواجہ کمال الدین قادیانی کو خاص مشن پر مامور کر رکھا تھا جس کا برطانوی ''فارن آفس'' کے ذریعے صیہونی تنظیم (W.Z.O.) کے ساتھ رابطہ تھا۔ بظاہر وہ ''ووکنگ مسجد'' کے انچارج تھے، لیکن درپردہ وہ

قادیانی ہدایات کے عین مطابق دن رات اس پروپیگنڈے میں مصروف تھے کہ دولتِ عثمانیہ چند دنوں کی مہمان ہے۔ کیونکہ اس سلطنت کی تباہی کی پیش گوئی ان کے نبی مرزا غلام احمد کر چکے ہیں۔ مرزا غلام احمد نے بقول تاریخ احمدیت نو سال پہلے ہی یہ کہہ دیا تھا کہ ترکی کی سلطنت زیادہ دیر نہیں چل سکتی۔ زوال اس کا مقدر ہو چکا ہے۔ یورپ کے تمام یہودی قادیانیوں کے اس پروپیگنڈا میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے اور قادیانی تحریک کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کرتے تاکہ اس میدان میں قادیانیوں کے حوصلے بڑھتے رہیں اور وہ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے ان تمام رکاوٹوں پر قابو پاسکیں جو اس راستے میں دنیا بھر کے مسلمان خصوصی طور پر پاک و ہند کے مسلمان پیدا کر رہے تھے۔ لندن میں قادیانیوں کی یہودیوں کے حق میں اور خلافتِ عثمانیہ کے خلاف یہ آواز یورپ کے اندر سب سے پہلی آواز تھی۔

دوسرا مشن:

حکیم نورالدین نے اسی سلسلے میں دوسرا مشن حجاز روانہ کیا، جو عربوں کو ترکوں کے خلاف اکسانے کا ایک مرکزی خطہ بن چکا۔ برطانوی سامراج نے جب ''لارنس آف عربیہ'' کے ذریعے عربوں کو نسلی امتیاز کی بنیادوں پر ترکوں کے خلاف مہم شروع کی تو اس مہم کو کامیاب بنانے کے لیے قادیانیوں سے بھی کام لینے کا فیصلہ ہوا۔ چنانچہ مرزا بشیر الدین محمود کو اسی کام کے لیے حجاز بھیجا گیا۔ قادیان میں ایسے قادیانی مبلغ موجود تھے جو بیک وقت قادیانی مبلغ بھی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ برطانوی ''انٹیلی جنس'' کے نمائندے بھی۔ انہی میں سے ایک قادیانی جس کا نام عبدالحئی تھا جسے عربی زبان پر اچھا خاصا عبور حاصل تھا، مرزا بشیر الدین محمود کے ساتھ اس مشن میں اس کے ہمراہ تھا۔ تاکہ عربوں کے ساتھ رابطے میں آسانی ہو۔ اس کے ساتھ تیسری شخصیت مرزا میر نواب ناصر کی تھی، جو رشتے میں مرزا بشیر الدین کے نانا تھے۔ یہ لوگ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے گردو نواح میں اپنی مذموم سرگرمیوں میں مصروف تھے کہ مولانا ابراہیم سیالکوٹی جو حج کے لیے حجاز گئے ہوئے تھے۔ ان کو جب قادیانی وفد کی ان سرگرمیوں کا پتہ چلا تو قادیانیوں کا محاسبہ کیا اور لوگوں کو بتایا کہ یہ شخص ایک جھوٹے نبی مرزا غلام احمد کا بیٹا ہے۔ جو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے برطانوی سامراج کی خوشنودی کی خاطر یہاں پر سرگرم کار ہے اور عربوں اور ترکوں کے درمیان نفرت پیدا کر رہا ہے۔ چنانچہ چند ہی دنوں حالات تبدیل ہو گئے اور عربوں کو معلوم ہو گیا کہ مرزا محمود ہندی کذاب کا بیٹا ہے اور ہمارے درمیان ارتداد پھیلا رہا ہے۔ چنانچہ مرزا بشیر الدین محمود جہاں سے گزرتا عرب اشاروں سے ایک دوسرے کو مطلع کرتے ''ہٰذا ابنِ کاذب'' اسی دوران مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ نے مرزا محمود کو مناظرے کا چیلنج بھی دے دیا۔ جس کے بعد حکیم نورالدین کے اس قادیانی وفد کا مکہ اور مدینہ میں ٹھہرنا بہت مشکل ہو گیا، اور وہاں سے انہیں بھاگنا پڑا۔ مرزا محمود نے اپنے اس مشن کی روئیداد اس طرح بیان کی ہے:

> ''میں (مرزا محمود) نے وہاں (مکہ اور مدینہ) میں تبلیغ شروع کی اور خدا نے اپنے خاص فضل سے میری حفاظت کی۔ اُس وقت حکومتِ ترکی کا اچھا خاصا اثر تھا۔ اب تو شاہِ حجاز کی گورنمنٹ انگریزی کے زیر اثر ہونے کے باعث ہندوستانیوں سے بدسلوکی نہیں ہو سکتی مگر اُس وقت یہ حالت نہ تھی۔ اُس وقت وہاں وہ

جس کو چاہتے گرفتار کر لیتے تھے۔ مگر میں نے وہاں تبلیغ کی اور کھلے طور پر کی۔ لیکن جب ہم وہ مکان چھوڑ کر فارغ ہوئے تو دوسرے روز اس مکان پر چھاپا مارا گیا اور مالک مکان کو پکڑ لیا گیا کہ اس قسم کا یہاں کوئی شخص تھا۔'' (''الفضل''۔ قادیان۔ ۷/مارچ ۱۹۲۱ء)

(۳) تیسرا مشن:

حکیم نورالدین نے ترکوں کے خلاف تیسرا مشن یہودیوں اور انگریزوں کے حق میں ۲۶/جولائی ۱۹۱۳ء کو مصر روانہ کیا۔ اس مشن میں زین العابدین (ولی اللہ شاہ) اور عبدالرحمٰن شامل تھے۔ انگریز سامراج اُس وقت مصر، شام اور عراق میں ترکوں کے خلاف سرگرم عمل تھا۔ مصر مرکز تھا، جہاں سے سارے اسلامی علاقوں میں انگریزوں اور یہودیوں کے جاسوسوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ اِدھر لارنس آف عریبیہ اپنے مشن میں صحرائے سینائی میں مصروفِ عمل تھا۔ انگریز ''شریف حسین مکہ'' کو ترکوں کے خلاف بغاوت پر اکسانے میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا کہ قادیانیوں کا یہ مشن انگریزوں اور یہودیوں کی مدد کے لیے مصر پہنچا۔ زین العابدین اور شیخ عبدالرحمٰن قادیانی نے مصر پہنچ کر برطانوی ریذیڈنٹ جنرل کچنر سے رابطہ قائم کیا۔ کچھ عرصہ تک ان دونوں نے ترک اقتدار کے خاتمے کے لیے برٹش ایجنسیوں کے ساتھ مل کر کام کیا۔ بعد میں زین العابدین، شیخ عبدالرحمٰن کو مصر میں چھوڑ کر خود برٹش ایجنسی کی ہدایت پر بیروت (لبنان) روانہ ہوگیا۔ بیروت میں اس قادیانی نے عام مسلمانوں میں بڑا اثر ورسوخ حاصل کر لیا۔ اس لیے کہ اس نے بظاہر ترکوں کی حمایت کا روپ دھار لیا۔ ہندوستان میں چونکہ ترکوں کی حمایت کا سلسلہ جاری تھا اور تحریک بھی چل رہی تھی، اس لیے ترک اہل ہندوستان کو بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اِنھی حالات سے فائدہ اٹھا کر زین العابدین (قادیانی مبلغ) نے بیروت، حلب، بیت المقدس میں ''برطانوی انٹیلی جنس'' کی ہدایت کے مطابق بڑی اہم خدمات سرانجام دیں۔ حتیٰ کہ صلاح الدین ایوبی کالج میں ترکوں کی سفارش پر لیکچرر مقرر ہوگیا۔ زین العابدین کو قادیانی تحریکِ جاسوسی میں ایک اہم اور منفرد مقام حاصل ہے۔ اسے ''عجمی لارنس آف عریبیہ'' کہا جاتا ہے۔ اس قادیانی نے بھی لارنس آف عریبیہ کی طرح ترکوں کے زوال اور انگریزوں اور یہودیوں کے اقتدار کے لیے بڑی اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ شام کے ایک فاضل محقق محمد منیر القادری نے اپنی کتاب ''القادیانیت'' میں جنگِ عظیم اوّل کے دوران قادیانیوں کے جاسوسی کردار سے پردہ اٹھاتے ہوئے اس طرح تحریر کیا ہے:

> ''اور یہ بات پوری ذمہ داری سے کہی جاسکتی ہے کہ قادیانیوں سے چشم پوشی مسلمانوں کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ خصوصاً جاسوسی کے بارے میں کیوں کہ جنگِ عظیم کے وقت انگریزی سامراج نے ایک قادیانی مسمّی ولی اللہ زین العابدین کو سلطنتِ عثمانیہ میں بھیجا۔ جس نے وہاں جا کر یہ ظاہر کیا کہ وہ سلطنتِ عثمانیہ کا بہی خواہ ہے اور مسلمان ہے۔ عثمانی دھوکہ کھا گئے اور اس کو پانچویں ڈویژن کے کمانڈر جمال پاشا کے پاس بھیج دیا۔ جس نے اس کو ۱۹۱۷ء میں القدس یونیورسٹی میں دینیات کا لیکچرر مقرر کر دیا۔ بعد میں جب انگریزی افواج دمشق میں داخل ہوئیں تو مذکورہ ولی اللہ زین العابدین اس لشکر میں شامل ہوگیا۔'' (محمد منیر القادری، ''القادیانیت'' دمشق، ص ۱۴)

شورش کاشمیریؒ اسی قادیانی جاسوس کے بارے میں اپنی کتاب ''تحریک ختم نبوت'' میں یوں رقم طراز ہیں:

''پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۸ء۔۱۹۱۴ء) میں عرب ریاستوں کے احوال وآثار اور اسرار ووقائع چوری کرنے کے لیے مرزا محمود نے اپنے پیروؤں کی ایک کھیپ مہیا کی۔ ہندوستانی فوج کی ہر کمپنی کے ساتھ ایک یا دو قادیانی منسلک کیے گئے۔ کئی ایک معتمد ترکی بھیجے گئے۔ جنھوں نے مقامی ملازمت کے پردے میں ''سکاٹ لینڈ یارڈ'' کی حسبِ ہدایت کام کیا۔ دمشق میں مرزا محمود کا سالا زین العابدین ترکوں کی پانچویں ڈویژن کے انچارج جمال پاشا کی معرفت القدس یونیورسٹی میں دینیات کا لیکچرار لگ گیا۔ لیکن جس روز انگریزی فوج دمشق میں داخل ہوئی وہ انگریزی کمانڈر کے ماتحت ہوگیا اور کئی ایک معتمد ترکوں کو قتل کروانے میں حصہ لیا۔ اس کا چھوٹا بھائی میجر حبیب اللہ شاہ فوج میں ڈاکٹر تھا۔ اس کو بغداد فتح ہونے پر عارضی طور پر گورنر مقرر کیا گیا۔ جب ۱۹۲۴ء میں عراقی حکومت کو مرزائیوں کے خدوخال کا پتا چلا تو ان کی غدارانہ سرگرمیوں کے باعث ان سب کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ مرزا محمود نے جمعہ کے خطبہ مطبوعہ ''الفضل'' ۱۹۲۳ء میں اعتراف کیا کہ ''عراق فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہایا اور میری تحریک پر سینکڑوں لوگ بھرتی ہوکر گئے۔''

ان حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکیم نورالدین کے اس مشن میں بھیجے گئے یہ دوشخص زین العابدین اور شیخ عبدالرحمٰن برطانوی مقاصد کے حصول کے لیے کتنے فیصد اور کارآمد ثابت ہوئے۔ شیخ عبدالرحمٰن مصر میں ایک مدت تک خصوصی مشن پر فائز رہ کر برطانوی انٹیلی جنس اور قادیان کے درمیان ایک خصوصی رابطے کا کام دیتا رہا۔ شیخ عبدالرحمٰن کے بارے میں قارئین کو یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ یہی وہی شیخ عبدالرحمٰن ہے جو قادیانیت کی تاریخ میں شیخ عبدالرحمٰن مصری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جس نے بعد میں مرزا بشیرالدین محمود کے خلاف اس کی اخلاقی بے رہروی اور بے شمار جنسی سیکنڈلز کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے علم بغاوت بلند کردیا تھا۔ یہ کہانی عہدِ محمودی میں ایک خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ یہاں اس کا ذکر اس لیے مقصود ہے کہ اسی شیخ عبدالرحمٰن مصری نے جی۔ڈی کھوسلہ کی عدالت میں بیان دیا تھا کہ:

''مرزا بشیرالدین محمود زنا کار ہے۔ تقدس کے پردے میں عورتوں اور لڑکوں کو ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور یہ بھی کہ مرزا محمود نے ایک سوسائٹی بنا رکھی ہے جس میں وسیع پیمانے پر زنا ہوتا ہے۔''

شاید یہ بھی انھیں ''خدمات'' کا ہی حصہ ہے جس پر جشن صد سالہ منایا جارہا ہے۔ اس پر تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

شرم تم کو مگر نہیں آتی

(جاری ہے)

☆☆☆